نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ کی لطیف تشریح

رسول کریمؐ کا وسیلہ ہونا اور مسیح موعودؑ کا چاند ہونے کا مفہوم

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 /نومبر 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

گزشتہ خطبے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے حوالے سے آیت کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (النور:36) کی تفسیر پیش ہورہی تھی جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی اور جس کو میں نے مزید وضاحت سے کھول کر جماعت کے سامنے رکھا۔ یہ مضمون ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ خطبے کا وقت ختم ہوگیا اور اس کے علاوہ بھی اور بہت سی باتیں خدا تعالیٰ کے اسم نور کے حوالے سے کرنے والی ہیں۔ اس لئے خطبے میں جہاں میں نے مضمون کو چھوڑا تھا وہاں سے بات کو آگے بڑھاؤں گا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام شجرۂ مبارکہ زیتون کی مثال کی تشریح فرما رہے تھے اور اس موقع پر کچھ حصہ مضمون کا بیان کرنے کے بعد وقت ختم ہوگیا تھا۔ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ جو زیتون کا تیل ہے جس سے وہ وحی کا مبارک چراغ روشن ہے وہ تیل کیا چیز ہے جو عبارت ہے وہ اگر تمام تر پڑھی جائے تو چونکہ مشکل عبارت ہے اور بہت سے سننے والے جو اردو کو اچھی طرح سمجھتے ہیں وہ بھی اس عبارت کو سمجھ نہیں سکیں گے۔ پس بجائے اس کے کہ میں اس عبارت کو پڑھوں اس کے سر دست پہلے حصے کا مضمون بیان کرتا ہوں بعد میں پھر کچھ عبارتیں بھی پڑھوں گا ان کا مضمون

بھی بیان کروں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ فرمار ہے ہیں کہ جو تیل ہے وہ خلاصہ ہوا کرتا ہے کسی چیز کی ذات اور درخت کا تیل اس کی صفات کا خلاصہ ہوا کرتا ہے۔پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمثیل کے طور پر زیتون قرار دے کر جب اس کے تیل کی بات شروع کی تو مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی فطرت سلیمہ، آپؐ کی عقل آپؐ کی روحانی قوتیں اور وہ تمام صفات جو آپؐ کی ذات کا خلاصہ ہیں اور وہ صفات جو خود اللہ تعالیٰ کے کلام سے پرورده ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فضل کے نتیجے میں پرورده ہیں یعنی آغاز میں بھی اللہ ہی کا فضل ہے اس نے ایک وجود پیدا فرمایا اور اس وجود کی ان صفات کو پوری طرح نشوونما کی توفیق عطا فرمائی۔ پھر نشوونما جب اپنے درجۂ کمال کو پہنچی ہے تو ان کی کیفیت یوں بیان فرمائی کہ گویا وہ نور از خود بھڑ کنے کے لئے تیار تھا یعنی آنحضرت ﷺ کی صفاتِ حسنہ کا آسمانی نور کے ساتھ کامل اتصال ہے کیونکہ جب تک یہ اتصال نہ ہو اس وقت تک آسمانی نور اپنے درجۂ کمال کے ساتھ آپؐ کی ذات پر نازل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس لئے یہ مثال کسی اور نبی کی وحی کے متعلق استعمال نہیں فرمائی گئی کہ وہ نور جو آپ کی صفات حسنہ کا خلاصہ تھا وہ از خود بھی چمکتا رہا مگر از خود، لفظ دھوکے والا ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس انداز میں پیش فرمایا ہے اس از خود کا تصور اس میں سے غائب ہو جاتا ہے۔فرمایا ہے یہ مقدر بات تھی کہ اللہ ہی کے فیض سے تربیت یافتہ وجود تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ''جو اس عقل کامل کے چشمہ صافی سے پرورده ہیں'' وہ صفات محمدیہ جو اس ''عقل کامل'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات کی طرف اس ''عقل کامل'' کہہ کر اشارہ فرمایا ہے۔''اس عقل کامل کے چشمۂ صافی سے پرورده ہیں'' خدا تعالیٰ کا جو حکمتِ کاملہ کہلا سکتا ہے ہر عقل، ہر حکمت کا سرچشمہ وہی ہے۔اس چشمہ صافی سے جس شجرہ طیبہ نے فیض پایا وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا شجر تھا اور اس مثال کا استعمال فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کیونکہ اگر مثال زیتون کے درخت کی تھی تو زیتون کا درخت بھی تو کسی پانی کا محتاج ہے۔ وہ پانی کون سا تھا، کہاں سے اترا تھا وہ زمینی پانی نہیں تھا بلکہ خدا تعالیٰ کا وہ پانی تھا جو اس کی عقل کاملہ سے اترتا ہے۔ ویسے تو ہر فیض خدا ہی سے ملتا ہے، جن لوگوں کو تھوڑی سی بھی عقل ملے ان کو بھی خدا ہی سے نور ملتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے تعلق میں خدا تعالیٰ کو عقل کامل قرار دینا بتا رہا ہے کہ اللہ کا جو

نورِبصیرت یا جو بھی اسے آپ کہہ لیں عقلِ کامل جو تمام حقائق کا سرچشمہ ہے جس میں کوئی تضاد نہیں ہے، جو تمام موجودات کی کنہہ ہے اس عقل کامل کے چشمہ صافی سے محمد رسول اللہ ﷺ کا شجرۂ طیبہ یعنی وہ زیتون کا درخت پرورش یافتہ تھا۔ پس از خود کی بحث اٹھ گئی۔ آغاز ہی سے آنحضرت ﷺ کی تخلیق خدا کے عقلِ کامل کے چشمہ سے ہوئی اور وہ جو درخت تھا جو عقل کامل سے فیض یافتہ ہوا وہ دنیا کی کسی اور چیز سے فیض یافتہ نہ ہوا اس کا شفاف اور پاکیزہ ہونا بالبداہت ثابت ہے۔ اب اس کا ایک اور تعلق بھی ہے۔ جو دوسرے عام عقل والوں کے ساتھ اس مضمون کا تعلق ہے۔ وہ جہاں تک حقیقی اور سچی عقل کا تعلق ہے اللہ ہی سے فیض یافتہ ہوتے ہیں مگر محض اس سے فیض یافتہ نہیں رہتے کچھ دنیاوی عقول کے چشموں سے بھی پانی پیتے ہیں، کچھ دنیاوی حکماء کی باتوں سے بھی متاثر ہوتے ہیں، کچھ اپنی تحقیقات سے بھی وہ فیض یافتہ ہوتے ہیں۔ اس لئے خالصۃً اللہ کی عقلِ کل سے فیض یافتہ ان کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پس اس چشمے میں کچھ دوسرے پانی بھی آ ملتے ہیں۔

ان معنوں میں آنحضرت ﷺ کو اُمی کہنا آپ کی ایک عظیم تعریف ہے اور یہی لفظ امی جب دوسری عرب قوم پر اطلاق پاتا ہے تو دوسرے معنے رکھتا ہے کیونکہ ہر لفظ اپنے موقع اور محل کے مطابق سمجھا جاتا ہے۔ ان کے معنوں میں یہ تھا کہ وہ تعلیم یافتہ ہیں ہی نہیں، نہ خدا سے نہ بندوں سے، نہ اللہ کی عقل سے انہوں نے تعلق جوڑا نہ اپنی عقل سے کچھ فائدہ حاصل کیا اور آنحضرت ﷺ نے چونکہ دنیاوی عقول کا استعمال نہیں کیا اور دنیاوی علوم کے چشموں سے پانی نہیں پیا اس لئے آپ کی نشوونما خالصۃً اس عقل کل سے ہوئی ہے جسے ہم خدا بھی کہتے ہیں اور عقل کل نے آغاز ہی سے آپ ﷺ کو پانی پلایا آپؐ کی آبیاری فرمائی اور اس پانی کو پی پی کر یہ شجرۂ طیبہ بڑھا اور جوان ہوا اور اس نے شاخیں نکالیں اور پھول پھل لایا۔

ان سارے مراحل سے گزر کر جب وہ اس مرتبے تک پہنچا ہے کہ اس سارے وجود کا عطر خالص ایک تیل کی شکل میں ظاہر ہو گیا یعنی آنحضرت ﷺ اپنی بلوغت کو پہنچے اور یہ وجود اس مقام پر پہنچا جب کہ درخت سے تیل الگ ہو کر، صاف ہو کر، نتھر کر باہر آنے لگتا ہے۔ اس تیل پر وحی کا نزول ہوا ہے اور یہ وہ تھا تیل جو بھڑک اٹھنے کو تیار تھا۔ اس لئے نہیں کہ انسان بذات خود اپنی عقل سے روشن ہو سکتا ہے اس لئے کہ شروع ہی سے عقل کل سے فیض یافتہ تھا۔ یہ تفصیل ہے جو حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس چھوٹے سے فقرے کی ہے کہ

''اس عقلِ کامل کے چشمہٴ صافی سے پروردہ ہیں''

تمام صفات محمدیہ ﷺ اللہ کی عقل کامل کے سرچشمے سے پروردہ ہیں۔ پھر وحی کے نزول اور خصوصاً اس ذات پر نور الٰہی کا نزول اس طرح کہ یہ خود نور مجسم بن جائے یا نور مجسم کی طرح دکھائی دے اور اس سے پھر دوسرے نور روشن ہوں اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ''ان لطائف قابلہ پر وحی کا فیضان ہوا''۔ وہ لطائف جو اپنے درجہٴ کمال کو پہنچ گئے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں۔ یہاں درجہ کمال سے مراد یہ ہے کہ آسمانی نور کے اترنے سے پہلے آسمانی نور نے جس درخت کی آبیاری کی ہے اس کے اندر لطیف صفات کی پرورش کی اور وہ لطیف صفات جب تیار ہو گئیں تو پھر وہ محتاج تھیں کہ آسمان سے بھی ایک نور نازل ہوتا۔ اس کی تفاصیل آگے پھر آئیں گی تو آپ کے سامنے مضمون اور بھی کھل جائے گا اور فرماتے ہیں ''اور ظہور وحی کا موجب وہی ٹھہرے''۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ظہور وحی کا موجب قرار دیا ہے حالانکہ وحی ایک موہبت ہے جو آسمان سے اترتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اس موہبت اور موجب وحی کے بظاہر متصادم مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے خوب کھول دیتے ہیں اور اس میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔

''اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ فیضان وحی ان لطائف محمدیہ کے مطابق ہوا''۔

اس میں بہت سے مسائل حل ہو گئے جو بہت دیر مدتوں سے اہل علم وفکر کو الجھنوں میں مبتلا کئے رہے یعنی انبیاءؑ کی وحی میں فرق کیا ہے، کیوں ہوا ہے؟ انہوں نے ایک ہی چشمے سے پانی پیا۔ اِس کی وحی مختلف، اُس کی وحی مختلف۔ اِس کا انداز کلام مختلف، اُس کا انداز کلام مختلف۔ تو کیا مختلف خداؤں نے ان کی پرورش فرمائی ہے یا ایک ہی خدا کے فیض یافتہ ہیں، پھر فرق کیوں ہے؟ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ فیضان وحی ان لطائف محمدیہ کے مطابق ہوا'' اس میں دراصل وہی مضمون بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ویسا ہی بوجھ اس پر ڈالتا ہے جیسے بوجھ کا وہ

متحمل ہو سکتا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:287)

پس محمد رسول اللہ ﷺ کی وسعتوں کا عظیم تر ہو جانا اور تمام بنی نوع انسان کی وسعتوں سے آپ کا دائرہ پھیل کر بڑھ جانا یہاں تک کہ ان تمام بنی نوع انسان کی صفات پر آپ کی وسعتیں محیط ہو جائیں۔ یہ بات اس بات کا تقاضا کرتی تھی یہ موجب وحی ہے کہ آپ پر وحی نازل ہو جو اپنی وسعتوں میں کل عالمی ضروریات پر محیط ہو جائے، تمام بشری ضروریات کو پورا کرنے والی اور ان کے تمام سوالات کا جواب رکھتی ہو۔

پس وحی کا صاحب وحی کے مطابق ہونا یہ معنی رکھتا ہے اور اسی لئے ہر نبیؑ کی وحی کا دائرہ مختلف ہے اور اس کے نور کی چمک میں بھی فرق ہے حالانکہ نور اللہ ہی کا ہے جس سے وہ روشن ہوتے ہیں۔ اب تیلوں کو دیکھ لیں ایک تیل کو جلائیں اس کی روشنی اور طرح کی ہوتی ہے دوسرے تیل کو جلائیں اس کی روشنی اور طرح کی ہوتی ہے۔ وہ کیمیا جن کو روشن کیا جاتا ہے ان میں سے بعض کیمیا ہیں جن کی روشنی بہت ہی تیز سفید ہوتی ہے جیسے سورج کی روشنی ہو۔ کیلشیم کاربائیٹ کے جو چراغ جلتے ہیں لاہور میں مونگ پھلیاں بیچنے والے یا اس قسم کے بھنے ہوئے دوسرے Nuts بیچتے ہیں کئی دفعہ اس کے اوپر ان کا چراغ رکھا ہوتا ہے وہ بالکل لگتا ہے دن کی روشنی ہے۔ ربوہ میں جب بجلی نہیں آئی تھی تو میں نے بھی بنایا تھا۔ تو نور تو وہی ہے جو خدا نے ہر چیز کے اندر رکھا ہوا ہے مگر ہر چیز کے چمک اٹھنے میں اس کی اپنی صلاحیتیں بھی جلوہ گر ہوتی ہیں اور آگ تو سب کو اسی طرح جلاتی ہے اور روشن کرتی ہے مگر مادے کے فرق سے اس کی تجلی میں فرق پڑ جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاءؑ کے تیل کو بھی ایک روحانی تیل کے طور پر شرف بخشا اور ان کو بھی روشن کیا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا تیل روشن ہوا ہے تو کل عالم روشن ہو گیا اس لئے کسی اور کو سراج نہیں فرمایا بلکہ آپ ہی کو سراج قرار دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

> ''فیضان وحی ان لطائف محمدیہ کے مطابق ہوا اور انہی اعتدالات کے مناسب حال ظہور میں آیا کہ جو طینت محمدیہ میں موجود تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر یک نبیؑ منزل علیہ کی فطرت کے موافق نازل ہوتی ہے۔''

(براہین احمدیہ حصہ سوم۔ روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 193)

کہتے ہیں تفصیل اس کی یہ ہے ”منزل علیہ“ وہ پاک نبی جس پر وحی نازل ہو رہی ہوتی ہے، اسے منزل علیہ فرما رہے ہیں جس پر وحی نازل ہوئی۔ اس کی فطرت کے مطابق نازل ہوتی ہے اور اس کے مطابق نازل ہونا خود ایک فصاحت و بلاغت کا کرشمہ ہے کیونکہ فصاحت و بلاغت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جو متقضائے حال کے مطابق ہو۔ اگر کسی بچے سے خطاب ہو رہا ہو تو بچوں کی طرح بننا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ بچوں کی زبان میں تو تلا بھی ہونا پڑتا ہے اور جو کم فہم لوگ ہیں بسا اوقات وہ سمجھتے ہیں یہ وقار کے خلاف بات ہے کہ بچوں کی طرح حرکتیں کر رہا ہے۔ حالانکہ اگر یہ وقار کے خلاف ہے تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ ”**انا عند ظن عبدی بی**“

کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تو اپنے بندے کے گمان اور اس کی سوچ کی توفیق کے مطابق ڈھل جاتا ہوں تبھی ہمارے اندر پیار کی باتیں چلتی ہیں ورنہ تو ناممکن ہے کہ کوئی شخص میرے جیسا ہو سکے مجھے ہی اس جیسا ہونا پڑتا ہے۔ ضمناً مجھے یاد آ گیا کہ ایک ہمارے جماعت احمدیہ کے مداح دانشور مجھے ملنے آئے۔ انہوں نے کہا باقی باتوں میں تو مجھے اتفاق ہے لیکن یہ جو آپ نے بچوں کی کلاس یا اردو کی کلاس شروع کر رکھی ہے آپ کی شان کے خلاف ہے۔ آپ کو ویسی حرکتیں کرنی پڑتی ہیں اور آپ کے منصب اور آپ کی شان کے خلاف ہے۔ اس نے بڑی ہمدردی اور نیکی میں مشورہ دیا۔ میں نے کہا جو باتیں میں نے خدا سے سیکھی ہیں، خدا کے مزاج سے سیکھی ہیں تمہاری نظر میں یا کسی کی نظر میں خلاف ہوں یا نہ مجھے کوئی بھی پروا نہیں۔ میں نے کہا گھر میں جو تم اپنے بچوں سے توتلی باتیں کرتے ہو تو اس وقت تمہاری شان اس راہ میں کیوں حائل نہیں ہوتی۔ جب ایک بادشاہ خواہ کیسا ہی صاحب منصب اور صاحب جلال ہو اپنے گھر میں اپنے چھوٹے سے بچے سے پیار سے باتیں کرتا ہے تو منہ بھی تتلے بنا لیتا ہے، اسی طرح کی حرکتیں کرتا ہے اور اس کی شان کے خلاف نہیں ہوتا۔ اگر یہ شان کے خلاف ہو تو خدا کا اپنے کسی بندے سے تعلق نہ ہو سکے۔ میں نے کہا میں تو مجبور ہوں اور تمہیں یہ بھی نہیں شاید پتا کہ ہمارے محبت کے رشتے چل رہے ہیں۔ اگر میں یہ نہ سکھاؤں تو بہت سے دیکھنے والے ان مجالس میں آئیں ہی نہ اور تم لوگوں کو جو غیر ہو، جماعت سے باہر، محبت بھی رکھتے ہو تو ان باتوں کی سمجھ نہیں ہے۔ میں نے کہا مجھے یہ بھی احساس ہے جس کی طرف آپؐ نے اشارہ فرمایا ہے۔ مثلاً آپ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ آپ نے اردو کی تعلیم باقاعدہ کالج میں حاصل نہیں کی نہ تعلیم

دینے کی کوئی سند حاصل کی ہے اس لئے کیوں نہیں ان لوگوں کے سپرد کر دیتے جو اس مضمون سے واقف ہیں اور اس بات کی اہلیت بھی رکھتے ہیں کہ صحیح زبان سکھا سکیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ اس کا میں ایک دفعہ پہلے بھی جواب دے چکا ہوں کہ میں نے کوشش بہت کی تھی کہ ایسے لوگ آئیں اور جو میں جس رنگ میں سمجھانا چاہتا ہوں سمجھا دیں اور تقریباً ایک سال ضائع کرنے کے بعد پھر مجبور ہوا تھا مگر یہ ایک الگ بحث ہے۔

میں نے جو ان کو سمجھانا تھا جو اس مضمون سے تعلق رکھنے والی بات ہے وہ یہ ہے کہ بسا اوقات محبت کی وجہ سے تعلیم کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور اگر محبت نہ ہو تو وہ تعلیم کا رشتہ قائم ہی نہیں ہوتا اس مضمون کو آپ لوگ نہیں سمجھتے۔ اگر میں خود اس مضمون کو نہ اٹھاتا تو وہ بچے جو ایک دوسرے سے مقابلے کر کر کے یہاں پہنچ رہے ہیں یہاں تک کہ چھت پر بھی جگہ باقی نہیں رہی وہ کبھی بھی نہ آتے اور یہ مضمون سب سے زیادہ اللہ سمجھتا ہے۔ اس لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ محبت ہمارے دل میں پیدا کر دی کیونکہ معلم کا متعلم سے جب تک محبت کا رشتہ نہ ہو حقیقت میں صحیح تعلیم ہو ہی نہیں سکتی۔ تو وہ ایک طرف کمزوریاں رہ گئی ہوں گی اور رہتی ہیں۔ میں جانتا ہوں اور مانتا بھی ہوں ساتھ ساتھ کہ مجھے اس کا یہ بھی نہیں پتا کہ یہ مذکر ہے یا مؤنث ہے، دیکھیں گے پھر بتائیں گے اور کئی غلطیاں رہ جاتی ہوں گی۔ مگر اس کے مقابل پر فوائد اتنے ہیں کہ ان فوائد کو میں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ جہاں تک حرکتوں کا تعلق ہے آپ کے نزدیک یا کسی کے نزدیک وہ وقار کے خلاف ہوں مگر میرے نزدیک تو اگر وقار کا مسئلہ لیا جائے تو اللہ کا ہر دنیا کی مخلوق سے تعلق ٹوٹ جائے اور اس کی زبان میں بات ہی نہ کرے مگر اپنے گھر میں آپ کرتے ہیں۔ بادشاہ اپنے بچوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں اگر وہ وقار کے خلاف ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ فطرت کے تو مطابق ہے اور جو شخص وقار کے خیال سے اپنی فطرت کو مسخ کرتا ہے وہ مصنوعی وجود ہے۔

آنحضرت ﷺ اپنے عظیم مرتبے کے باوجود فرماتے ہیں۔ **و ما انا من المتکلفین۔** یعنی جو کچھ بھی ہو میں متکلف نہیں ہوں، جو کچھ میں ہوں جیسا ہوں تمہارے سامنے ہوں۔ پھر ان حرکتوں سے میرے کچھ نقائص بھی تو سامنے آتے ہوں گے جس میں میں خوش ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف خطبوں کے ذریعے تعارف ہو تو لوگ پتا نہیں مجھے کیا سمجھ بیٹھیں

کیونکہ خطبے میں قرآن کی باتیں، حدیث کی باتیں، رسول اللہ ﷺ کی باتیں اور ایسے عظیم مضمون ہو رہے ہوتے ہیں کہ مجھے وہ کچھ کا کچھ بنا بیٹھیں۔ میں چوغے اتار کر بھی ان کے سامنے آتا ہوں جس طرح اپنے گھر میں کپڑے کوٹ اتار کے صرف سادہ لباس میں انسان اپنے گھر میں بیٹھ جاتا ہے اس کو وہ اس نظر سے بھی دیکھتے ہیں جو محض انسانی اور بشری نظر ہے۔

تو ان سب امور کے فوائد ہیں اور یہ واقعہ ہے۔ بہر حال کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو دنیا کے کونے کونے سے محض اس لئے ان کلاسوں کے وقت اپنے ٹیلی ویژن On کر لیتے ہیں کہ خلیفہ وقت سے ایک احمدی کا ایسا محبت کا رشتہ ہے کہ جو کچھ بھی کہے وہ دیکھنا چاہتا ہے وہ کیا کر رہا ہے بلکہ نہ بھی سمجھے تو بیٹھا رہتا ہے بسا اوقات۔ اس عورت کی بات نہیں بتائی تھی وہ کہتی تھی کسی نے پوچھا کہ تم تو ''بولی'' ہو یعنی کانوں سے بہری ہو۔ کچھ سمجھ نہیں آئی کیا کرتی رہی وہاں بیٹھ کے۔ اس نے کہا ''ڈھیا بڑا اے'' سنا تو کچھ نہیں پر دیکھا بڑا ہے۔ تو محبت کی باتوں میں وہ دلائل کام نہیں آتے کہ یہ سند یافتہ ہے کہ نہیں ہے اور جہاں تک سند یافتہ ہونے کا تعلق ہے یہی مضمون تو چل رہا ہے اس وقت کہ بسا اوقات ایک شخص سند یافتہ نہ بھی ہو وہ براہ راست خدا سے سیر یافتہ ہو یا سیراب ہو رہا ہو بعض معنوں میں تو اس کی تعلیم اور ایک سند یافتہ کی تعلیم میں ایک فرق ضرور ہوتا ہے وہ دل کی گہرائی میں اتر کے تعلیم دیتا ہے وہ فطرت کے قریب رہ کر تعلیم دیتا ہے کوئی تصنع نہیں اور اس پہلو سے خواہ اردو زبان کا معیار ہو نہ ہو تعلیم کی روح اس میں ضرور موجود رہتی ہے اور یہ میں نے اس لئے جاری کیا ہے بتا چکا ہوں کہ تا کہ سب دوسروں کے لئے نمونہ ہو اور کثرت سے جو احمدی اس زبانوں کی تعلیم کے وڈیوز تیار کر رہے ہیں اپنی اپنی زبان کی، ان سے میں نے کہا ہے وہ دیکھا کریں کہ میں کس طرح کرتا ہوں سو فیصدی اس کی نقل نہیں اتارنی مگر عمومی انداز ویسا ہی ہوتا کہ کوئی جرمن سیکھ رہا ہو تو اس کو اسی بے تکلف انداز میں جرمن سکھائی جائے جس طرح میں کوشش کرتا ہوں کہ اردو سکھائی جائے۔ اسی طرح دوسری زبانیں ہیں تو ان کو بھی ضرورت ہے کہ وہ مجھے دیکھ دیکھ کر اس انداز کو اختیار کریں جو میں نے بتایا تھا کہ فطرت کا انداز ہے جس پر مائیں بچوں کو سکھاتی ہیں اور مائیں جب بچوں کو سکھاتی ہیں تو اس سے پہلے ان کو کوئی علم نہیں ہوتا، کسی سکول کی تربیت یافتہ نہیں ہوتیں۔ دنیا جہان کی مائیں خواہ کسی زبان سے تعلق رکھتی ہوں، کسی قوم سے تعلق رکھتی ہوں، وہ

وحشی قبائل سے تعلق رکھتی ہوں، وہ بھی سکھا دیتی ہیں بلکہ جانور مائیں بھی سکھاتی ہیں اپنے بچوں کو۔ کیوں اس کا فطری تعلیم سے تعلق ہے تو میں نے جو زبانوں کا مضمون شروع کیا تھا اس نقطہ نگاہ سے کیا تھا کہ خدا نے جو مضمون ماؤں کے ذریعے ہمیں سکھایا ہے ہم اسے اپنا لیں اور مائیں بھی پھر منہ بھی ٹیڑھے کرتی ہیں ان کو ہنسانے کے لئے عجیب عجیب شکلیں بھی بناتی ہیں تو اگر کوئی سمجھتا ہے وقار کے خلاف ہے مجھے کوئی بھی پرواہ نہیں۔ میرا وقار ہے ہی کچھ نہیں۔ میرا وقار اگر ہے تو سچا ہونے میں ہے۔ جس حد تک میں سچا رہ سکتا ہوں اسی حد تک میرا وقار ہے۔ اس سے آگے نہیں ہے اور یہ مجبوریاں ہیں اور اس سے فوائد بھی ہو رہے ہیں مگر میں کوئی دفاع نہیں کر رہا۔ اس مضمون سے میرا ذہن اس طرف چلا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کو چنا اور دوسری تعلیمات سے بے بہرہ رکھا اس لئے کہ وہ تمام تر تعلیمات خدا نے خود دینی تھیں اور یہ واقعہ جہاں تک میری نظر ہے کسی اور نبی کے ساتھ ظہور میں نہیں آیا۔

اس لئے اُمی لقب ہونا آپ کا، آپؐ کی منفرد صفت ہے اور اس طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس چھوٹے سے فقرے میں اشارہ فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ کا وجود مبارک جو شجرۂ طیبہ کی اعلیٰ ترین مثال تھا سب سے اونچی مثال تھا، وہ محض اللہ کے پانی سے سیراب یافتہ ہوا۔ کوئی دنیاوی علوم اس کی عقل کو چمکانے پہ اثر انداز نہیں ہوئے۔ تمام دنیاوی علوم سے بے بہرہ رہا۔ یہاں تک کہ لکھنا پڑھنا بھی نہیں آیا اور خدا نے اسے سب دنیا کا معلم بنا دیا۔ پس تعلیم دینا بھی خدا ہی عطا کرتا ہے اور تعلیم حاصل کرنا بھی اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کی فطرت میں خدا نے تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہو۔ پس کلیۃً انحصار اللہ کے فضلوں پر ہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں اب دیکھیں۔ ''انہی اعتدالات کے مناسب حال ظہور میں آیا''

جو خدا نے صفات رکھ دی تھیں ان کے عین مطابق وحی نازل ہوئی ہے اور چونکہ صفات ایسی تھیں جو عالمی نوعیت کی تھیں اس لئے وحی عالمی ہوگئی اور دوسرے انبیاءؑ اس کے مستحق ہی نہیں تھے کہ ان پر ویسی ہی وحی کی جاتی جیسے محمد رسول اللہ ﷺ پر فرمائی گئی۔

اب اس کی تفصیل میں بعض انبیاءؑ کے مزاج کے فرق آپ بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''۔۔۔جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جلال اور غضب

تھا توریت میں بھی موسوی فطرت کے مطابق ایک جلالی شریعت نازل ہوئی''۔۔۔

وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج کے عین مطابق ہے۔حضرت موسیٰ جس طرح کلام کیا کرتے تھے جو خاص ان کی ادائیں ہیں جو دل نشین بھی ہیں اور جلال کا پہلو بھی رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ آپ سے ویسے ہی کلام فرماتا رہا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''۔۔۔حضرت مسیح علیہ السلام کے مزاج میں حلم اور نرمی تھی۔سو انجیل کی تعلیم بھی حلم اور نرمی پر مشتمل ہے مگر آنحضرت ﷺ کا مزاج بغایت درجہ وضع استقامت پر واقعہ تھا۔۔۔'' (براہین احمدیہ حصہ سوم۔روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 193)

وضع استقامت صراط مستقیم جسے ہم کہتے ہیں وہ لفظ مستقیم لفظ استقامت سے ہی نکلا ہے۔استقامت کے بہت سے معانی ہیں یہاں ان معنوں میں استعمال فرمایا گیا ہے کہ وہ عین مرکز میں واقع ہو۔نہ اس طرف اس کا جھکاؤ ہو، نہ اس طرف جھکاؤ ہو اور جو مرکز میں واقع ہو وہی قرار پکڑتی ہے جو مرکز میں واقع نہ ہو وہ چیز قرار نہیں پکڑتی۔Equilbrium کا اصول ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہاں بیان فرما رہے ہیں۔ہر وہ چیز جو عین اس جگہ واقع نہ ہو جو اس کے اوپر اثر انداز طاقتوں کے درمیان کا محل ہے وہ ہر وقت مائل بہ تبدل رہے گی۔ایک پیالی کو بھی آپ اٹھا کے ذرا سا یوں ٹیڑھا کر کے رکھیں جب تک آپ سہارا دیئے رکھیں گے وہ اس حالت میں رہے گی مگر اس کا مزاج یہ ہوگا کہ میں ہر وقت واپس لوٹوں اس حالت پر لوٹ جاؤں جہاں مجھے قرار نصیب ہے۔تو اگر ایک شخص کی فطرت بعینہٖ ان طاقتوں کے مرکز پر واقع ہو جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی تقویم کی خاطر پیدا فرمائی ہیں تو اس کی کشش اس کو اسی مقام پر ٹھہرائے رکھے گی اور اس سے استقامت پیدا ہوتی ہے۔پس کسی ایک مقام پر قرار پکڑ جانا اور قائم رہنا یہ استقامت ہے اور اگر اس کے ساتھ شعور پیدا ہو جائے تو اس استقامت کو بدلنے والی طاقتوں کے مقابلے کی طاقت بھی اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔

تو استقامت دو قسم کی ہے ایک طبعی یعنی جیسا کہ ایک چیز Equilibrium کی حالت میں ہے، وہ ایسی جگہ پڑی ہوئی ہے کہ اس پر کوئی قوت اثر انداز نہیں وہ وہیں ٹھہری رہے گی۔دوسری ہے اس کو ہلانے کی کوشش کی جائے، اس کی جگہ بدلنے کی کوشش کی جائے۔اگر وہ بے جان چیز ہے تو طبعی

حالت کے طور پر جو وزن اسے عطا ہوا ہے صرف اسی حد تک دفاع کر سکتی ہے اس سے زیادہ نہیں مگر اگر جاندار ہے تو وہ اپنا دفاع جانتا ہے اگر ایک بچے کو بھی اس کی مرضی کے خلاف اٹھانے کی کوشش کریں اور وہ اس کی حالت مستقیمہ ہے جہاں مزے سے وہ بیٹھا ہوا ہے تو وہ آگے سے مارے گا، ہاتھ پاؤں جھٹکے گا بعض دفعہ آپ زور کریں گے تو آپ کو ٹانگیں بھی مارے گا لیکن اگر اس میں طاقت نہ ہو تو زبردستی اس کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حالت مستقیمہ فطرت کے اعتدال پر واقع تھی اور ذاتی مزاج میں بھی جبکہ دوسرے انبیاءؑ کے مزاج میں بعض ایک طرف رجحان کے شامل تھے آپؐ کے مزاج میں اعتدال تھا اس لئے خلق میں نرمی بھی تھی، خلق میں برمحل سختی بھی تھی اور اس کا توازن ایسا تھا کہ اس سے آپؐ از خود ہٹ ہی نہیں سکتے تھے۔

اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار آپ کو متنبہ فرمادیا کہ لوگ تجھے ہٹانے کی کوشش کریں گے اور تو نے پوری قوت سے اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ فرمایا اگر ایک ذرہ بھی تو اس راہ سے ہٹ گیا جس پر تو گامزن ہے اور اللہ کے فضل سے گامزن ہے تو پھر کہیں کا بھی نہیں رہے گا۔ اب یہ عجیب بات ہے بظاہر لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی سختی کر دی ہے۔ ہم سے تو بے شمار غلطیاں ہو جاتی ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا ایک ذرہ بھی ایک قدم ایک طرف ہوا تو یہ نہیں فرمایا کہ اس کے مطابق سزا ہو گی فرمایا تو کہیں کا بھی نہیں رہے گا، اکھڑ جائے گا تو گیا۔ یہ دراصل مضمون حالتِ مستقیمہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک چیز کو آپ ہٹانا شروع کریں ایک طرف تو ایک مقام ایسا آئے گا کہ ایک ذرہ بھی ادھر ہوا تو وہ گر کے اپنے وجود کو ضائع کر دے گا۔ تو ایک لغزش چھوٹی سی شروع ہوتی ہے اگر حالتِ مستقیمہ سے تعلق رکھتی ہو تو پھر اس پر نہ صرف یہ کہ قرار نہیں رہ سکتا بلکہ اس سے گر کر وہ پھر تنزل کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور گرتا چلا جاتا ہے۔

پس انبیاءؑ کو جو خدا تعالیٰ حالتِ مستقیمہ عطا فرماتا ہے، جس تعلیم پر ان کا اعتدال ٹھہراتا ہے اس سے ایک ذرہ بھی اگر وہ حرکت کر کے الگ ہوں تو ان کے گرنے اور تنزل کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہ مراد ہے کہ تو نے ہر حالت میں ہر مدمقابل کی کوششوں کو رد کرتے ہوئے، ہر دشمن کی تمام تر جدوجہد جو تیرے پیغام اور مسلک سے تجھے ہٹانے کی کی جائے گی کلیۃً رد کرتے ہوئے اس حالت کو قائم رکھنا ہے، چمٹے رہنا ہے اس سے ذرا انحراف نہیں کرنا اور اسی سے امت مستقیم ہو گی۔ اگر حضرت

محمد مصطفیٰ ﷺ مستقیم نہ ہوتے اور استقامت کا یہ مرتبہ آپؐ کو حاصل نہ ہوتا کہ ہر دوسرے کی معاندانہ کوشش کے باوجود اپنی حالت مستقیمہ پر قائم رہتے اس کی حفاظت کرنا جانتے تو اُمتِ مستقیمہ کہلا ہی نہیں سکتی تھی۔ پس یہ صراط مستقیم محمد رسول اللہ ﷺ کی فیض یافتہ ہے۔ آپؐ نے صراط مستقیم پر قدم رکھا ہے تو پھر ہمیں توفیق ملی ہے ورنہ اس کا کوئی وجود ہی ہمارے لئے نہ ہوتا۔ تبھی اللہ تعالیٰ نے اَنۡعَمۡتَ کہہ کر فرمایا کہ اس صراط کو کہیں اپنی کمائی نہ سمجھ بیٹھنا۔ تم یہ دعا مانگو کہ جن پر خدا نے انعام کیا تھا انہوں نے جو راہ بنائی ہے یعنی ان کے قدموں کے نشان سے جو تمہاری راہنمائی کر رہی ہے ان کے پیچھے چلو گے تو مستقیمہ حالت میں رہو گے۔ جب ان کے قدموں سے انحراف کیا تو تمہاری حالت مستقیمہ ختم ہو جائے گی۔

اس مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں اعتدالات کا نام، ان کے صفات کے مناسب ظہور کا نام، صفتِ محمدیہ ہے۔ جسے آپ صفتِ مستقیمہ بھی قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

''۔مگر آنحضرت ﷺ کا مزاج بغایت درجہ وضع استقامت پر واقعہ تھا۔''

آپ کا مزاج ہی وہاں تھا جہاں الٰہی تعلیمات انسان کو لے جانا چاہتی تھیں اور از خود فطرتاً وہاں تھے۔ یعنی اپنی طبیعت پر زور ڈال کر اس کے مخالف چل کر آپؐ نے الٰہی تعلیمات سے اخلاق نہیں سیکھے بلکہ آپؐ کی فطرت سے وہی اخلاق پھوٹ رہے تھے جو انسان کو سکھانا خدا کا مقصود تھا اور اس لئے تھا کہ فطرتِ صافی چشمہ صافی سے پروردہ تھی اس لئے آپؐ کو زور لگا کر سچ نہیں بولنا پڑا اور اس سے بھی حالت مستقیمہ پر ایک روشنی پڑتی ہے۔ ایک شخص جس کو سچ سے طبعی تعلق نہ ہو جھوٹ بولنے کا مادہ رکھتا ہو وہ جب سچ بولتا ہے تو زور لگا کر اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور اگر مقابل کا تقاضا بڑھ جائے تو وہ زور کام نہیں آتا اور انسان سچائی کے تقاضوں کو جھوٹ کی قربان گاہ پر نثار کر دیتا ہے۔ یہ خطرہ اس کو لاحق رہتا ہے۔ پس جسے خطرہ لاحق ہے اس کے متعلق یہ بھی تو احتمال ہے کہ کہیں ٹھوکر کھا جائے گا۔

پس فطرتِ محمدؐیہ کو اندرونی کوئی بھی خطرہ نہیں تھا۔ اتنی مستحکم تھی ان صفات حسنہ پر کہ مزاج کا خطرہ نہیں تھا۔ جہاں مزاج کی طرف سے خطرہ نہیں تھا بیرونی خطرے تھے، ان کے متعلق ایک تو خدا تعالیٰ نے نصیحت فرمائی کہ خوب ہوشیار ہو کر بیدار نظر کے ساتھ دیکھو کہ کوئی تجھے اپنے مسلک سے ہٹا تو نہیں

رہا اور نہیں ٹلنا اور پھر وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:68)۔

اس میں یہ مضمون بھی ہے۔صرف بدنی حفاظت نہیں ہے فرمایا فکر نہ کر تو عزم صمیم لے کر اٹھ کھڑا ہو اللہ وعدہ کرتا ہے کہ تجھے دشمنوں کی کوششوں سے بچاتا رہے گا اور اپنی حفاظت میں رکھے گا۔پس یہ ہے وہ شریعت جو آنحضرت ﷺ کی وضع استقامت پر واقع ہونے سے تعلق رکھتی ہے اس کے مناسب حال وحی ہونی چاہئے تھی۔ورنہ اللہ تعالیٰ فصیح و بلیغ نہ رہتا کیونکہ محل کا تقاضا اور رہوتا ہے اور خدا کچھ اس سے اور معاملہ کرتا جو اس کے عدل کے بھی خلاف تھا اور خدا تعالیٰ کو اپنی ذات میں ایک فصاحت و بلاغت کی جلا ہے جس سے دنیا کی فصاحت و بلاغت فیض پاتی ہے اس کے خلاف ہوتا اگر وحی اس کے عین مطابق نہ ہوتی۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

”۔۔۔بلکہ حکیمانہ طور پر رعایت محل اور موقع کی ملحوظ طبیعت مبارک تھی ۔سو قرآن شریف بھی اسی طرز موزوں و معتدل پر نازل ہوا کہ جامع شدّت و رحمت و ہیبت و شفقت و نرمی و درشتی ہے۔سو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ چراغ وحی فرقان اس شجرہ مبارکہ سے روشن کیا گیا ہے۔۔۔“

اب یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اس سے روشن ہوا ہے تو بتا رہے ہیں کہ یہ مطلب نہیں ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی میں یہ سمجھا رہے ہیں کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ وحی الہی از خود محمد رسول اللہ ﷺ سے پھوٹی ہے۔فرمایا اول تو وہ تیل فیض یافتہ ہے اس پانی کا جو عقل کل کا پانی تھا جس سے وہ سیراب ہوا۔دوسرے یہ کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس تیل سے پھوٹی ہے مطلب ہے کہ یہ تیل اس بات کا متقاضی تھا کہ عین اس کی شان کے مطابق وحی نازل ہو گویا اس تیل سے وہ ظاہر ہوئی۔یہ گویا کے معنی ہیں جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام توجہ دلاتے ہیں۔

”۔۔۔اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ چراغ وحی فرقان اس شجرۂ مبارکہ سے روشن کیا گیا ہے کہ نہ شرقی ہے نہ غربی ہے یعنی طینت معتدلہ محمدیہؐ کے موافق نازل ہوا ہے۔۔۔“

یہ مطلب ہے اس تیل سے اس نور کے پھوٹنے کا۔

’’۔۔۔جس میں نہ مزاج موسوی کی طرح درشتی ہے نہ مزاج عیسوی کی مانند نرمی بلکہ درشتی اور نرمی اور قہر اور لطف کا جامع ہے اور مظہر کمال اعتدال اور جامع بین الجلال والجمال ہے۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ سوم۔ روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 194-193)

یہ ہے آنحضرت ﷺ کا تیل جو روشن ہوا ہے آگے جو مضمون بیان ہوا ہے اس کا تعلق اس آیت کے اس حصے سے ہے کہ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ یعنی یہ نور، یہ تیل تو ایسا شفاف تھا کہ از خود روشن ہو کر بھڑک اٹھنے پر تیار بیٹھا تھا۔ اگر آسمان سے شعلہ نور نہ بھی نازل ہوتا تو یہ تیار تھا۔ پس جب یہ شعلہ نور نازل ہوا تو نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ یہ فطری صفات اس نور سے چمک اٹھیں اور جس طرح Lesar Phenomenone ہوتا ہے کہ ایک لہر کے مطابق دوسری لہر باہر سے آتی ہے تو کئی گنا اس کے اندر جلاء پیدا ہو جاتی ہے اور طاقت بڑھ جاتی ہے۔ اراگر بعینہٖ اس کے مطابق نہ ہو تو مخالف جو امواج ہیں یعنی waves وہ آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر یعنی مخالف امواج اور کسی معاملے کے موافق امواج ساری طاقت کو کم کر دیتی ہیں اور بعض دفعہ کلیۃً زائل بھی کر دیتی ہیں۔

اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص جس کو سچی خوابیں بھی آتی ہیں اگر اس کا نور فطرت پوری طرح روشن نہ ہو تو بعض دفعہ وہ خوابیں اس کو بچانے کی بجائے اس کی ہلاکت کا موجب بھی بن جاتی ہیں۔ اس کے اندر نفسانیت کا اندھیرا ہوتا ہے۔ ان خوابوں کے ذریعے وہ بجائے اس کے کہ اور زیادہ عجز اختیار کرے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے وحی کے نزول کے آغاز میں عجز کا مظاہرہ فرمایا اور تمام زندگی کے سفر میں عاجز بندے بنے رہے وہ اس نور کی وجہ سے تھے جو آپ کی ذات میں تھا اور اس نور میں اعتدال تھا۔ یہاں اعتدال کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے مقابل پر اپنی حیثیت کو ایک لمحہ بھی نظر انداز نہیں فرمایا اور اس کے مقابل پر اس کی عظمت کو دیکھ کر اپنا انتہائی بے بس اور خالی ہاتھ ہونا، یہ آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی میں آپ کے ہر فعل پر اثر انداز ہوا ہے۔ کامل عجز جس کے نتیجے میں خدا کے نور کو یہ موقع ملا کہ جہاں آپ نے اپنے آپ کو مٹایا وہاں اس نور نے جگہ لے لی اور سارا سینہ اللہ کے نور کے لئے خالی کر دیا، اپنا نور اس میں باقی نہیں رکھا۔ یہ بھی ایک نورِ بصیرت ہے نورِ فطرت تقاضا کرتا ہے کہ وہ عجز دکھائے تو آسمان سے نور اس پر اترے اور اس کی کمی کو پورا کرے اور جو کمزور

ہوتے ہیں ان کے اندر چونکہ نور نہیں ہوتا اس لئے اگر نور نازل بھی ہو تو بسا اوقات نور اندھیرے پیدا کر کے چلا جاتا ہے اور ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اب یہ بھی کوئی پوچھ سکتا ہے نور سے اندھیرے کیسے پیدا ہوتے ہیں ۔قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہم ایسی مثالیں دیتے ہیں جو بعض لوگوں کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں ،بعض لوگوں کی بیماریوں کو اور بڑھا دیتی ہیں۔تو نور تو حقائق کی اصل تصویر کو ظاہر کرتا ہے۔پس وہ نازل ہونے والا نور جو ان لوگوں پر اترتا ہے یا ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔یہ اس طرح کا نور نہیں ہے جو موہبت ہوا ہے انعام کے طور پر۔ یہاں نور سے مراد یہ ہے کہ ان کی حقیقت کو ظاہر کرنے والا نور ہے۔قرآن کریم کی وحی نازل ہوتی ہے بعضوں کے اوپر ابتلاء لے آتی ہے۔ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وہ مرض میں بڑھنے لگ جاتے ہیں اور بعضوں کی پاک صفات کو اس طرح اجاگر کرتی ہے کہ جو لوگوں کی نظر سے غائب تھیں ان کو بھی دکھائی دینے لگتی ہیں اور ان کو مزید روشنی عطا کر دیتی ہے۔

پس یہ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ کا جو منظر قرآن کریم نے کھینچا ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مضمون کھولا ہے کہ اللہ کی وحی کے بغیر بھی رسول اللہ ﷺ اس کی محتاجی کے بغیر ہی سارے عالم کی ہدایت کا سامان کرتے ۔ یہ مراد نہیں ہے۔مراد یہ کہ اس آخری مرتبہءِ کمال تک پہنچ چکا تھا گویا بھڑک اٹھنے کے لیئے وہ خود تیار ہے اور دوسرا معنی اس کا یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ پر، میں ایک فرض محال کے طور پر بات کر رہا ہوں یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ آپؐ پر وحی نازل نہ ہوتی مگر نہ بھی نازل ہوتی تو دنیا کی جس موضوع پر بھی سیادت فرماتے ،جس انسانی دلچسپی کے دائرے میں بھی آپؐ قیادت ہاتھ میں لیتے وہ بالکل صاف اور پاک اور شفاف قیادت ہوتی۔یہی مضمون ہے جو غیر شعوری طور پر کارلائل سمجھ گیا یعنی قرآن کریم کی ان باتوں پر تو اس کی نظر نہیں تھی مگر اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کو اس طرح چمکتے دیکھا کہ یہ راز وہ سمجھ گیا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جہاں بھی جاتا وہاں بھی اسی طرح چمک اٹھتا جس طرح مذہب میں چمکا ہے۔پس Hero and Hero Worship اس کی کتاب میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہیرو کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ اگر وہ جرنیل ہوتا تو دنیا میں جرنیلوں میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس کا مقابلہ کر سکتا۔اگر وہ سیاست دان بن کر اٹھتا تو دنیا کے تمام سیاست دانوں کو مات کر دیتا۔اگر وہ طبیب بن کر اٹھتا تو تمام دنیا کے طبیبوں کو اس کے سامنے زانوئے ادب تہہ

کرنے پڑتے، وہ اس سے سیکھتے۔ان الفاظ میں تو نہیں مگر بالکل اسی مضمون کو کارلائل نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ضمن میں اٹھایا ہے اور کہا ہے یہ چونکہ مذہب کی دنیا میں نکلا ہے اس لئے تمام دوسرے انبیاءؑ سے آگے بڑھ گیا اور ان کا سردار ہو گیا کیونکہ اس کی فطرت میں سرداری تھی یہ بغیر سردار بنے رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

یہ وہ مضمون ہے جس کو قرآن کریم فرماتا ہے کہ اگر آسمان سے شعلہ نور نہ بھی نازل ہوتا تو اپنے دنیا کے تمام تعلقات میں اس نے نور ہی رہنا تھا اور سیادت کے لئے کامل ہو چکا تھا۔پس اب اگر یہ امر محال ہے پھر میں بتا رہا ہوں، اگر رسول اللہ ﷺ پر یہ وحی نازل نہ ہوتی تو دنیاوی امور میں عرب کی جیسی سیادت آپؐ فرما سکتے تھے اس کی دنیا کی سیادتوں میں کوئی دوسری مثال نہ ہوتی مگر آپ نے تو اپنے آپ کو کلیۃً خدا کے تابع فرما دیا تھا۔اپنی صلاحیتوں کو اس کے حضور پیش کر دیا تھا۔اس لئے آپؐ پر وہ شعلۂ نور اترا ہے جس نے آپؐ کو نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ کر دیا۔

اس کی دوسری توجیہہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام یوں فرماتے ہیں کہ دراصل کوئی بھی نور جو آسمان سے اترتا ہے جب تک اندرونی نور موجود نہ ہو اس نور سے کوئی تعلق قائم بھی نہیں کر سکتا اور فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔آپؑ نے فرمایا روشنی ہے۔اب دیواریں تو روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں۔وہ جانور جو اندھے ہوں یا انسان جو اندھے ہوں لاکھ روشنی ہو وہ اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ارتعاش پایا جاتا ہے ساری کائنات میں جس کو ہم مکمل خاموشی کہتے ہیں اس کا کوئی وجود نہیں مگر اس ارتعاش کو سننے کے کان تو سنتے ہیں اور اسی طرح چکھنے کے لئے اندرونی نور موجود ہو تو انسان چکھتا ہے ،خوشبو کے لئے اندرونی نور موجود ہو تو سونگھتا ہے۔اگر وہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں پتا لگتا یہ خوشبو ہے کہ بدبو ہے۔میں تو ہومیو پیتھک علاج کرتا ہوں میرے سامنے تو بارہا ایسے آتے ہیں کہ جی کھانے کا مزہ اٹھ گیا۔کچھ نہیں۔جو مرضی کھائیں لگتا ہے، مٹی کھا رہے ہیں۔جب خوشبو ہی نہیں آتی تو ہم کیا کریں۔نہ بدبو نہ خوشبو۔تو ایک چھوٹی سی خدا کی رحمانیت کی صفت کا جلوہ اٹھتا ہے تو انسان کیسی بیکار چیز رہ جاتا ہے، مٹی کا مٹی رہ جاتا ہے۔

تو آنحضرت ﷺ کو وہ اندرونی نور اس شان کے عطا ہوئے تھے کہ گویا از خود دیکھنے پر تیار بیٹھے تھے۔ان پر جب آسمان سے نور اترا ہے تو نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ سبحان اللہ کیسا نور اٹھا ہے کہ ساری

دنیا کو منور کر جاتا ہے اور ہر صفت نور کے تعلق میں آنحضرتﷺ سب سے بڑھ کر چمکے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کریم ایک پہلو سے آپؐ کو سِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب:47) کہہ دیتا ہے۔ گویا کہ ہر وہ شخص جو نور پاتا ہے محمد رسول اللہﷺ کے نور سے فیض یافتہ ہے اور جو اس سراج سے نور یافتہ نہیں وہ اندھیرا ہے اور دوسرے مقام پر جیسا کہ اس مقام پر ہے آپؐ کو نور قرار دے رہا ہے۔ تو یہ بھی ایک مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اگر آپؐ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ہیں تو نور اور سراج میں تو فرق ہے۔ سراج تو اس چراغ کو کہتے ہیں جو خود روشن ہو اور جب وہ کسی چیز پر پڑتا ہے جو روشن نہ ہو تو وہاں جو روشنی دکھائی دیتی ہے اس کو نور کہتے ہیں، اس لئے قرآن کریم نے سورج کو ’’ضیاء‘‘ قرار دیا اور چاند کو ’’نور‘‘۔ ضیاء سراج سے تعلق رکھنے والی روشنی ہے جو اس کی ذات سے اٹھی ہے اور نور اس روشنی کا نام ہے جو کسی پر پڑتی ہے تو اس کے پرتو سے وہ روشن ہو جاتی ہے۔

تو آنحضرتﷺ کو ایک پہلو سے سراج قرار دے دیا کہ دنیا میں ساری کائنات میں اب کوئی شخص روشن نہیں ہوگا جب تک اس سورج سے فیض یافتہ نہ ہو اور وہ نور یافتہ ہوگا وہ سراج نہیں بن سکتا اور دوسری طرف آنحضرتﷺ کو نور فرما دیا یہ بتانے کے لئے کہ اللہ کے تعلق سے آپ نور ہیں اور بنی نوع کے تعلق سے سراج ہیں۔ جو کچھ آپ کی ذات میں جلوہ گر ہے وہ اللہ کا نور ہے اور اس وجہ سے آپؐ سراج بن کر اٹھے ہیں مگر سراج ہیں بنی نوع انسان کے لئے۔ پس یہ دو تعلق کے رخ الگ الگ ہونے کی وجہ سے یہ نام بدل گئے۔ تبھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے سراج کا لفظ کہیں نہیں آتا۔ نور کا ذکر ہی چلتا ہے صرف۔ اس لئے کہ محمد رسول اللہﷺ کا نور آپ کی ذات میں اس طرح چمکا ہے جیسے چودھویں کا چاند سورج سے چمک اٹھتا ہے اور اس کا ہر گوشہ روشن ہو جاتا ہے۔ پس اس پہلو سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے ضیا کا لفظ اور سراج کا لفظ استعمال کرنا غیر حقیقی ہے۔ جائز نہیں کہ آپ کو سراج کہا جائے کیونکہ آپؑ سراج نہیں تھے۔ آپ قمر تھے اور قمر کے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو نور بنایا ہے۔

پس آنحضرتﷺ جن معنوں میں خدا کے حضور نور تھے، خدا تو نہیں تھے مگر اس کے نور کو منعکس کرنے والے تھے۔ انہی معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام، محمد رسول اللہﷺ تو نہیں مگر محمد رسول اللہﷺ کے نور کو منعکس کرنے والے وجود تھے اور اس دور میں اس کمال صفائی کے

ساتھ کہ اپنے وجود کو مٹا کر کلیۃً محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کے منعکس ہو گئے ، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور کوئی وجود نہیں ہے۔ پس جس نے بھی یہ نور پانا ہے یعنی نور محمد مصطفیٰ ﷺ وہ آج محتاج ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آنکھ سے محمد ﷺ کا نور دیکھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کان سے محمد رسول اللہ ﷺ کا کلام سنے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احساسات کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کے احساسات سے فیض یافتہ ہو۔ یہ جو وسیلہ ہے یہ وسیلہ دوری پیدا کرنے کے لئے نہیں بلکہ اتصال کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا نے کیوں وسیلہ کر دیا کیوں براہ راست ہر ایک سے تعلق نہ جوڑ لیا۔ کیا محمدؐ کا وسیلہ ہونا بندے اور خدا کے درمیان ایک تیسرے کا دخل ہے، ہرگز نہیں۔ وسیلہ کہتے ہیں جو اگر نہ ہو تو اس نور سے تعلق جڑ ہی نہ سکے اور اگر تعلق خام ہے تو تام ہو جائے۔ تھوڑا ہے تو بڑھ جائے۔ پس چاند کی ضرورت اس وقت درپیش ہوتی ہے جب براہ راست سورج دکھائی نہ دے رہا ہو اور اس مماثلت کا اطلاق یہاں ہوتا ہے۔

یہ وہ دور آ گیا ہے جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اپنی پیش گوئیوں کے مطابق گویا زمین سے ایمان اٹھ کر ثریا پر چلا گیا۔ جب مکمل تاریکی چھا گئی اس وقت کوئی چہرہ ایسا ہونا چاہیے تھا جو دنیا کی اس سطح سے بلند ہو کر اپنے سورج کو دیکھے اور اس سے وہ نور پائے جو سب میں پھر تقسیم کر دے۔ یہ جو صفت ہے اپنی ذات کو مٹا کر اور دنیا کے ماحول سے بلند تر ہو کر ایک انفرادیت اختیار کرتے ہوئے وہ سورج دیکھنے لگے جو دنیا کو دکھائی نہ دے اور اس کی روشنی کو پھر کمال صفائی اور وفا کے ساتھ اس دنیا کو دے جو نور کے نہ ہونے کی وجہ سے اندھی ہو چکی ہو۔ اس کو اگر کوئی کہے کہ بیچ میں ڈالا جا رہا ہے تو اس سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر بیچ کی بات ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے اور خدا کے درمیان سے نکال کے تو دیکھے کیسے کیسے اندھیروں میں بھٹک جاؤ گے۔ پس یہ شرک نہیں ہے، یہ توحید بلکہ خالص توحید بلکہ اعلیٰ درجے کی توحید کا مظہر مضمون ہے جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اور اس کا تعلق نور سے ہے لیکن اس کے متعلق اور بھی باتیں ہیں جو انشاء اللہ پھر آئندہ خطبات میں پیش کروں گا۔